23

اَلْاِنْذَار

(فرمودہ16جون 1944ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"دلوں کا فتح کرنا اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ نہایت ہی مشکل کام ہوتا ہے۔ اول تو لوگ اپنی عقل سے کام لینے کے عادی ہی نہیں ہوتے۔ رسم و رواج کی ظلمت اُن کے دلوں پر چھائی ہوتی ہے اور اس پردے کو چاک کرنا کوئی آسان کام نہیں ہوتا۔ لوگ اپنے رسم و رواج کے مقابلہ میں خدا اور رسول کے احکام کی بھی پروا نہیں کرتے۔ ابھی زیادہ زمانہ نہیں گزرا کہ مسلمانوں سے گورنمنٹ نے پوچھا کہ تم شریعت کے پابند ہونا چاہتے ہو یا رسم و رواج کے؟ تم قرآن کی حکومت اپنے اوپر جاری کرنا چاہتے ہو یا اپنے باپ دادا کے بنائے ہوئے قوانین کے ماتحت چلنا چاہتے ہو؟ پنجاب کے مسلمانوں کی ریڑھ کی ہڈی زمیندار ہیں۔ اُس وقت ایک کے بعد دوسرا مسلمان زمیندار آگے بڑھتا اور کہتا ہم قرآن کی حکومت نہیں چاہتے، اپنے باپ دادا کے قوانین پر عمل کرنا چاہتے ہیں۔ پنجاب کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک سارے زمینداروں نے ایک زبان سے یہ اقرار کیا کہ ہمیں خدا اور رسول کی حکومت

منظور نہیں، رسم و رواج کی پابندی ہمیں منظور ہے۔ یہ کتنی بڑی ظلمت ہے جو ان کے دماغوں پر چھائی ہوئی تھی۔ جب کوئی نئی تعلیم خدا تعالیٰ کی طرف سے آتی ہے پہلی ظلمت یہی ہوتی ہے کہ لوگ اپنے آباء واجداد کی اقتداء کو ترک کرنا پسند نہیں کرتے۔ جیسے عنکبوت نے اپنے ارد گرد ایک جالا بُنا ہوتا ہے جس میں سے نکلنا وہ پسند نہیں کرتی اِسی طرح ان کے آباء واجداد نے ایک جالا تَن دیا ہوتا ہے جس میں سے نکل کر وہ خدا کی وسیع دنیا کو دیکھنا نہیں چاہتے۔

پھر دوسری ظلمت عادات کی ہے۔ بہت سے احکام تو رسم و رواج کے ماتحت لوگ چھوڑ دیتے ہیں جن کا اُن سے منوانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ اور جو باتیں رسم و رواج سے باہر رہ جاتی ہیں وہ عادات کے چکّر میں آجاتی ہیں۔ جیسے شادی بیاہ کا معاملہ ہے، اولاد کی تربیت کا معاملہ ہے، عورتوں سے حُسنِ سلوک کا معاملہ ہے، کسی کے مرنے کے بعد اُس کے بعض رشتہ داروں کا ایصالِ ثواب کے عمل کا معاملہ ہے۔ یہ ساری چیزیں رسم و رواج کے ماتحت آجاتی ہیں۔ پھر اِن سے ہٹ کر جو نماز اور روزہ اور حج اور زکوٰۃ وغیرہ کے مسائل ہیں وہ عادتوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ بچپن سے انہیں نماز اور روزے کی عادت ہی نہیں ہوتی۔ جب کوئی شخص اُن کے پاس پہنچے، انہیں دین کی تعلیم دے، انہیں خدا اور رسول کے احکام پر چلنے کے لیے کہے تو وہ کہتے ہیں بات تو ٹھیک ہے لیکن ہم نے یہ کام کبھی کیے نہیں اِس لیے ہم سے ایسا نہیں ہو سکتا۔

پھر تیسری ظلمت اکابر کا اثر ہوتا ہے۔ یعنی قوم میں جو بڑے لوگ ہوتے ہیں اُن کی باتیں عام لوگ رد نہیں کر سکتے۔ پس اگر کوئی چیز رسم و رواج کی زد میں نہیں آتی، اگر کوئی چیز عادات کی زد میں نہیں آتی تو وہ اکابر کے اثر کی زد میں آجاتی ہے۔ لوگ کہتے ہیں فلاں چودھری صاحب جب یوں کہتے ہیں، فلاں رئیس صاحب جب اِس طرح کہتے ہیں تو ہم ان کو کس طرح چھوڑ دیں۔ یہ تو عوام کا حال ہے۔ بڑوں کے لیے تیسری ظلمت جتھا بندی کی ہوتی ہے۔ جس طرح عوام کہتے ہیں ہم بڑوں کو نہیں چھوڑ سکتے اسی طرح بڑے کہتے ہیں کہ ہم جماعت کو نہیں چھوڑ سکتے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چچا ابوطالب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بڑی محبت رکھتے تھے اور واقع میں اُنہوں نے ایسی شاندار قربانیاں دینِ اسلام کی امداد کے لیے کی ہیں کہ ان کو دیکھ کر حیرت آتی ہے کہ کس طرح وہ شخص جو

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جماعت میں شامل نہیں تھا آپؐ کے لیے ہر طرح قربانیاں کرتا رہا۔ ایک دفعہ ابوطالب کی قوم کے لوگ اُن کے پاس آئے اور کہا ابوطالب! ہم نے اب تک تمہاری خاطر تمہارے بھتیجے کو کچھ نہیں کہا۔ مگر اب اس کی باتیں حد سے بڑھتی جاتی ہیں۔ وہ ہمارے معبودوں کی نسبت روز بروز ایسے الفاظ استعمال کر رہا ہے جن کا سُننا ہماری طاقتِ برداشت سے باہر ہے اور اب ہم نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اگر اِس کی طرف سے یہی کیفیت جاری رہی تو ہم تمہارا بھی لحاظ نہیں کریں گے۔ پس یا تو زور ڈال کر اس سے ہماری باتیں منوالو۔ ہم اَور کچھ نہیں چاہتے وہ صرف اِتنا کرے کہ ہمارے معبودوں کو بُرا بھلا نہ کہے۔ اپنی تعلیم بے شک پیش کرتا رہے لیکن ہمارے معبودوں کے نقائص اور ان کی کمزوریاں بیان نہ کرے۔ اور اگر ایسا نہ ہوا تو اے ابوطالب! ہمیں تم کو چھوڑ دینا پڑے گا۔ ابوطالب نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بلایا اور کہا اے میرے بھتیجے! میری قوم کے سردار آج میرے پاس آئے تھے انہوں نے کہا ہے کہ ہم نے تیری خاطر تیرے بھتیجے کو اب تک زیادہ تکلیف نہیں دی مگر اب اس کی باتیں حد سے بڑھ گئی ہیں۔ وہ ہمارے معبودوں کی تنقیص کرتا ہے، وہ ان کی کمزوریاں اور نقائص بیان کرتا ہے اور یہ چیز ایسی ہے جس کو ہم برداشت نہیں کرسکتے۔ پس اپنے بھتیجے کو سمجھالو۔ ہم اس سے اَور کچھ نہیں چاہتے۔ صرف اِتنا کہتے ہیں کہ وہ ہمارے معبودوں کے نقائص بیان نہ کیا کرے اَور جو کچھ چاہے کہتا رہے۔ جاتے ہوئے انہوں نے آخری دھمکی بھی دے دی ہے کہ اے ابوطالب! اگر تم اپنے بھتیجے کو سمجھاؤ گے نہیں تو ہم تم سے بھی قطع تعلق کرلیں گے۔ مَیں نے جیسا کہ بتایا ہے یہ چوتھی ظلمت بھی بڑی خطرناک ہوتی ہے یا اگر چوتھی نہیں تو اکابر کے لحاظ سے اسے تیسری ظلمت سمجھ لو۔ بہرحال یہ ظلمت اکابر کے لیے بڑی خطرناک ہوتی ہے۔ چنانچہ ابوطالب یہ ذکر کرتے ہی رو پڑے اور کہنے لگے اے میرے بھتیجے! تُو جانتا ہے کہ قوم کا چھوڑنا کتنا گراں ہوتا ہے۔ ان کی یہ بات سن کر مجھ سے برداشت نہیں ہوسکا اور مَیں نے تجھ کو اِسی لیے بلایا ہے کہ تجھ سے دریافت کروں کہ آیا تُو اپنے رویہ میں کوئی تبدیلی کرنے کے لیے تیار ہے یا نہیں؟ اپنے مہربان چچا کی رقت اور اُن کی پُرنم آنکھوں کو دیکھ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آنکھوں میں بھی آنسو آگئے۔

آپ نے فرمایا چچا! آپ نے مجھ پر جو مہربانیاں کی ہیں وہ میری نظر سے پوشیدہ نہیں۔ مَیں ان کا شکر گزار ہوں۔ آپ میری خاطر اپنی قوم سے نہ بگاڑیں۔ آپ لوگوں میں اعلان کر دیں کہ آج سے مَیں نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو چھوڑ دیا ہے۔ باقی رہا میرا فیصلہ سو خدا کی قسم! اگر یہ لوگ سورج کو میرے دائیں اور چاند کو میرے بائیں لا کر کھڑا کر دیں، تب بھی میں توحید کی تعلیم اور شرک سے نفرت کے اظہار سے باز نہیں رہ سکتا۔**1**

یہ ایسا شاندار جواب تھا کہ ابو طالب کا دنیا دار دل بھی اِس کو برداشت نہ کر سکا اور وہ بے اختیار ہو کر بولے نہیں! اگر یہی سوال آئے گا تو تمہاری خاطر مَیں اپنی قوم کو چھوڑ دوں گا۔ تم جس طرح چاہو کہتے رہو۔ مگر یہی ابو طالب تھے کہ جب وفات کے وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان سے کہا اے چچا! اب تو کلمہ پڑھ لو تا کہ مَیں خدا کے سامنے آپ کی شفاعت کر سکوں۔ تو ابو طالب نے کہا اے میرے بھتیجے! تیرے دین کی میرے دل میں بڑی قدر ہے۔ پَر مَیں اپنی قوم کو نہیں چھوڑ سکتا۔**2** مرتے وقت انہوں نے اپنی قوم کی کیا لیڈری کرنی تھی چند منٹ میں ان میں اور ان کی قوم میں اتنا بڑا فاصلہ ہو جانا تھا جسے کوئی انسانی طاقت طے نہیں کر سکتی۔ مگر چند منٹ کی لیڈری بھی ابو طالب قربان نہ کر سکے۔ پس یہ تیسری ظلمت بھی بڑی خطرناک ہوتی ہے۔

چوتھی ظلمت ظلمتِ جہل ہے۔ یعنی جہالت اور ناواقفیت کی ظلمت دلوں پر چھائی ہوئی ہوتی ہے۔ انسان دین کی باتوں پر غور ہی نہیں کرتا۔ نئی سے نئی باتیں اُس کے سامنے پیش کی جاتی ہیں مگر اُسے ان پر غور کرنے کی عادت ہی نہیں ہوتی۔ وہ کوشش ہی نہیں کرتا کہ ان باتوں کو سمجھے اور ان پر عمل کرنے کے لیے اپنا قدم بڑھائے۔ وہ ظلمتِ جہل میں ہمیشہ مبتلا رہتا ہے اور دین کی باتوں کی طرف توجہ سے کام نہیں لیتا۔

پس بہت سی ظلمتیں ہیں جو بنی نوع انسان پر چھائی ہوئی ہوتی ہیں۔ مگر اِس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ انبیاء ہمیشہ کامیاب ہوتے ہیں اور وہ تمام ظلمتوں کو پھاڑ کر اپنی منزلِ مقصود کو پا لیتے ہیں۔ کونسا نبی دنیا میں ایسا آیا جو اپنی تعلیم کو پھیلانے میں ناکام رہا، کونسا نبی دنیا میں ایسا آیا جس نے رسم و رواج کی چادر کو پھاڑ کر نہیں رکھ دیا، کونسا نبی دنیا میں ایسا آیا جس نے عادات کی

چادر کو پھاڑ کر نہیں رکھ دیا، کونسا نبی دنیا میں ایسا آیا جس نے اکابر کا رُعب خاک میں نہیں ملا دیا، کونسا نبی دنیا میں ایسا آیا جس نے جتھا بندی کا رعب لوگوں کے دلوں سے نہیں نکال دیا۔ آدم سے لے کر آج تک جس قدر انبیاء دنیا میں آئے ہیں وہ اِن چاروں ظلمتوں کو دور کرنے میں ہمیشہ کامیاب ہوئے اور اُن کی جماعتیں اِن ظلمتوں کو پھاڑتی ہوئیں لوگوں کے دلوں تک خدا تعالیٰ کا نور پہنچانے میں کامیاب ہوئیں اور سچے مذہب کو انہوں نے پھیلا دیا۔ پس جو کچھ آج تک ہزاروں سال سے ہوتا چلا آیا ہے ہم کس طرح مان لیں کہ وہ ہمارے لیے نہیں ہو سکتا۔ بے شک ہمارے راستہ میں رسم و رواج کا پردہ حائل ہے مگر جس طرح پہلے انبیاء کی اُمتوں نے اِس پردے کو چاک کر دیا اُسی طرح ہم اگر کوشش کریں تو اس پردے کو چاک کر سکتے ہیں، بے شک ہمارے رستہ میں عادتوں کا پردہ حائل ہے لیکن جس طرح پہلے انبیاء کی امتوں نے اِس پردے کو چاک کر دیا اُسی طرح ہمارے لیے بھی وہ سامان مہیا ہیں کہ جن سے اِس پردہ کو چاک کر کے ہم لوگوں کے دلوں تک پہنچ سکتے ہیں، بے شک جس طرح پہلے زمانوں کے اکابر اور انبیاء کی جماعتوں کے درمیان جتھابندی کا پردہ حائل ہوا کرتا تھا ویسا ہی ہمارے درمیان اور ہمارے مخالفوں کے درمیان حائل ہے مگر جس طرح اُنہوں نے جتھابندی کے پردے کو چاک کر دیا اور وہ صداقت کا نور لے کر لوگوں کے دلوں تک پہنچ گئے اور ان کو حلقہ بگوشِ دین بنا دیا اُسی طرح کوئی وجہ نہیں کہ اگر ہم کوشش کریں تو لوگوں کے دلوں تک رسائی حاصل نہ کر سکیں۔

مَیں دیکھتا ہوں ابھی تک ہماری جماعت میں تبلیغ کی اہمیت کا وہ احساس پیدا نہیں ہوا جو اس زمانہ میں اصلاحِ نفس اور اصلاحِ عالَم کے لیے ضروری ہے۔ دو ارب دنیا میں افراد بس رہے ہیں اور اِن دو ارب لوگوں میں سے اِس وقت تک پانچ لاکھ کے قریب احمدی ہیں۔ اگر دنیا کی ایک کروڑ آبادی ہوتی تو اِس کے مقابلے میں احمدی پانچ فیصدی ہوتے۔ لیکن چونکہ دنیا کی آبادی دو ارب کے قریب ہے اِس لیے چار ہزار آدمیوں کے مقابلے میں ایک احمدی بنتا ہے۔ گویا ابھی تک کوئی نسبت ہی آپس میں نہیں اور یہ ساری منزل ابھی ہم نے طے کرنی ہے۔ ہمارے سپرد جو کام کیا گیا ہے وہ ساری دنیا میں اسلام اور احمدیت کو پھیلانا ہے۔ مگر مَیں دیکھتا ہوں

ابھی تک ہماری جماعت میں یہ احساس پوری طرح پیدا نہیں ہوا۔ ہر دل دُکھیا نہیں، ہر دل میں اسلام کی وہ محبت پائی نہیں جاتی جو انسان کو دیوانہ اور مجنون بنا دیتی ہے۔ ہزاروں انسان ایسے ہیں جن کے باپ، جن کی مائیں، جن کے بھائی، جن کی بہنیں، جن کے چچا، جن کے بھتیجے، جن کے ماموں، جن کے بھانجے اور جن کے دوسرے کئی رشتہ دار غیر احمدی ہیں۔ وہ اُن سے ملتے جُلتے ہیں، وہ اُن سے ہر طرح کے تعلقات رکھتے ہیں لیکن اُن کے دلوں میں یہ درد پیدا نہیں ہوتا کہ وہ اُن کو بھی احمدی بنائیں۔ بے شک وہ اِتنا کر لیتے ہیں کہ جب مجھ سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ آپ دعا کریں کہ ہمارا باپ احمدی ہو جائے، ہماری والدہ احمدی ہو جائے، ہمارا بھائی احمدی ہو جائے، ہماری بہن احمدی ہو جائے، ہمارا فلاں رشتہ دار احمدی ہو جائے۔ مگر یہ رسمی بات تو ہر کوئی کہہ سکتا ہے۔ اگر واقع میں ان کے دلوں میں درد ہوتا کہ وہ کیوں ابھی تک احمدیت میں شامل نہیں ہوئے تو مَیں سمجھتا ہوں وہ کھانا پینا اپنے اوپر حرام کر لیتے اور اپنے اپنے غیر احمدی عزیزوں اور رشتہ داروں کے پاس جا کر بیٹھ جاتے اور کہتے یا ہم مر جائیں گے اور یا پھر آپ کو ہدایت منوا کر رہیں گے۔ ہم اُس وقت تک کھانا نہیں کھائیں گے، ہم اُس وقت تک پانی نہیں پئیں گے جب تک آپ ہم سے کھل کر باتیں نہ کر لیں اور ہم پر یہ ثابت نہ کر دیں کہ ہم ایک غلط راستہ پر جا رہے ہیں۔ اور یا پھر آپ نہ مان لیں کہ ہم سچائی پر ہیں اور آپ ایک غلط راستہ پر جا رہے ہیں۔ ہم اُس وقت تک یہاں سے ہلیں گے نہیں جب تک اِس بات کا فیصلہ نہ ہو جائے اور جب تک ہم پھر مل کر ایک نہ ہو جائیں۔ ہمیں یہ دکھ اور درد تڑپا رہا ہے کہ ہم اَور طرف جا رہے ہیں اور آپ اَور طرف جا رہے ہیں۔ اب فیصلہ اِسی طرح ہو گا کہ یا آپ ہم پر ہماری غلطی ثابت کر دیں یا ہم آپ پر آپ کے عقائد کی غلطی ثابت کر دیتے ہیں۔ پھر جس کی بھی غلطی ثابت ہو جائے اُس کا فرض ہے کہ وہ دوسرے کی بات مان لے تاکہ یہ اختلاف دُور ہو اور ہم پھر ایک دوسرے سے مل جائیں۔ مَیں سمجھتا ہوں اگر اِس رنگ میں سب احمدی اپنے اپنے رشتہ داروں کے پاس بیٹھ جائیں اور کہیں کہ ہم نے فیصلہ کر لیا ہے کہ یا ہم مر جائیں گے یا آپ سے ہدایت منوا کر رہیں گے تو وہی لوگ، جو تمسخر کیا کرتے ہیں، جو ہنسی اور مذاق سے کام لیا کرتے ہیں، جو گالیوں اور بدزبانیوں پر اُتر آتے ہیں سنجیدگی سے باتیں کرنے لگ جائیں گے

اور چند دنوں میں ہی سچائی کو قبول کر کے اسلام اور احمدیت میں شامل ہو جائیں گے۔ مَیں سمجھتا ہوں اگر سو میں سے ایک میں بھی یہ درد ہوتا، اگر سو میں سے ایک میں بھی یہ جنون ہوتا تو سو غیر احمدیوں میں سے پچاس اب تک احمدیت کو قبول کر چکے ہوتے اور ہماری جماعت کی تعداد پانچ لاکھ نہ رہتی بلکہ اب تک وہ پچاس لاکھ سے بھی متجاوز ہو چکی ہوتی۔ کیونکہ ہر آدمی کے دس، بیس، پچاس، سو رشتہ دار ہوتے ہیں اور وہ اُن کو آسانی سے تبلیغ کر سکتا ہے۔ بہرحال اب وقت آگیا ہے کہ جماعت تبلیغ کی طرف خاص طور پر توجہ کرے۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ اب ہماری جماعت ہندوستان سے باہر تو زیادہ پھیلنی شروع ہو گئی ہے اور ہندوستان میں اِس کی اشاعت کم ہونی شروع ہو گئی ہے۔ چنانچہ اِس وقت دونوں کی آپس میں جو نسبت ہے وہ نہایت ڈراؤنی صورت اختیار کر رہی ہے۔ میرے نزدیک سارے ہندوستان میں ہماری معلومہ جماعت اب تک تین لاکھ کے قریب ہے اور ہندوستان کے باہر دوسرے ممالک میں ہماری جماعت کی تعداد دولاکھ کے قریب ہے۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ سال دو سال کے اندر اندر بیرونی ممالک کے احمدیوں کی تعداد ہندوستان کے برابر ہو جائے گی۔ لیکن جڑ اور درخت کی یہ ایک خطرناک نسبت ہے جو دکھائی دے رہی ہے۔ جس جماعت نے مبلغین تیار کرنے ہوں، جس جماعت نے مذہب کی حفاظت کا کام سرانجام دینا ہو اُس جماعت کی بنیاد بہت زیادہ وسیع ہونی چاہیے۔

ہٹلر نے جس وقت جرمنی پر قبضہ کیا ہے اُس نے ایک کتاب لکھی جس میں اُس نے اِس امر پر بہت لمبی بحث کی ہے۔ اس کے کام خواہ ہم کتنے ہی ظالمانہ سمجھیں، اس نے اپنی کتاب میں یہ ایک نہایت ہی لطیف بات لکھی ہے کہ کوئی قوم جو حکمرانی کرنا چاہے وہ دنیا پر حکمرانی نہیں کر سکتی جب تک اُس کے ملک کی آبادی وسیع نہ ہو۔ وہ کہتا ہے عمارت بنانے کا اصول یہی ہے کہ بنیاد ہمیشہ موٹی تیار کرتے ہیں اور اُس پر عمارت بنیاد کے مقابلہ میں چھوٹی تیار ہوتی ہے۔ اگر دو فٹ کی دیوار بنانی ہو تو بنیاد تین فٹ رکھیں گے۔ اگر چار فٹ کی دیوار بنانی ہو تو بنیاد چھ فٹ رکھیں گے۔ کیونکہ اگر بنیاد وسیع نہ ہو تو وہ بوجھ کو سہار نہیں سکے گی اور جو عمارت تیار ہو گی وہ بنیاد کے مضبوط نہ ہونے کی وجہ سے گر پڑے گی۔ اِسی طرح جس ملک کو خدا تعالیٰ صداقت اور ایمان کے لیے چُنتا ہے اُس ملک میں بھی صداقت کے پیرووں کی

بہت زیادہ تعداد ہونی چاہیے۔ شروع شروع میں تو ہندوستان میں ہماری جماعت کی تعداد زیادہ تھی اور بیرونی ممالک میں کم تھی۔ اگر ہندوستان میں پانچ دس ہزار احمدی تھے تو باہر چند سو سے زیادہ نہیں تھے اور اگر ہندوستان میں احمدیوں کی تعداد ایک لاکھ تک پہنچ گئی تو بیرونی ممالک میں پندرہ بیس ہزار تک احمدیوں کی تعداد ہو گئی۔ مگر اب ان دونوں نسبتوں میں بڑا بھاری فرق پیدا ہوتا جارہا ہے۔ جہاں تک بیرونی ممالک میں جماعت احمدیہ کی تعداد کا ترقی کرنا ہے ہم اسے خدا کا فضل سمجھتے ہیں۔ لیکن جہاں تک ہندوستان میں ہماری جماعت کی تعداد کا کم ہو جانا ہے یہ ایک نہایت ہی تشویش ناک امر ہے۔ بیرونی ممالک میں سے سماٹرا، جاوا اور بورنیو کی جماعتوں کو ملا کر۔ اسی طرح افغانستان کی جماعت کو (گو یہ جماعت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ سے ہی قائم ہے) اور مشرقی افریقہ کی جماعتوں کو ملا کر، پھر فلسطین اور مصر وغیرہ کی جماعتیں ملا کر بہت بڑی تعداد بن جاتی ہے۔ اس کے بعد ہم مغربی افریقہ میں چلے جائیں تو وہاں بھی مختلف علاقوں میں ہزاروں احمدی پائے جاتے ہیں۔ اِسی طرح یورپ کے مختلف حصے ہیں جہاں احمدی پائے جاتے ہیں، امریکہ کے کئی علاقے ہیں جہاں جماعتیں قائم ہیں۔ دنیا کے بعض ممالک تو ایسے ہیں کہ وہاں بیس بیس، تیس تیس ہزار احمدی موجود ہیں۔ ان ساری جماعتوں کو ملا لیا جائے تو بیرونی ممالک میں دو لاکھ کے قریب احمدی بن جاتے ہیں۔ اگر بیرونی ممالک کی جماعتیں اِسی طرح بڑھتی چلی گئیں تو نتیجہ یہ ہو گا کہ کفر پر حملہ کی ابتدا ان کے ہاتھوں میں چلی جائے گی اور ہندوستان کی مرکزیت جاتی رہے گی۔ چونکہ موجودہ زمانہ میں دین کا آغاز قادیان سے ہوا ہے اور دین کی باتیں صحیح طور پر جاننے والے قادیان کے ہی لوگ ہیں اِس لیے دینی امور کے متعلق فیصلہ کرنے کا حق قادیان ہی رکھتا ہے۔ مگر جب بیرونی ممالک کے احمدی تعداد میں زیادہ ہو جائیں گے تو وہ دینی امور کا فیصلہ اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کریں گے۔ جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ جس طرح عیسائیت جب مرکز میں کمزور ہو گئی اور باہر زیادہ پھیلنی شروع ہو گئی تو اُنہوں نے عیسائیت کو اپنے رنگ میں ڈھال لیا اور بجائے توحید کے تثلیث کا عقیدہ اختیار کر لیا۔ اِسی طرح اگر مرکز میں احمدیت کمزور ہو گئی تو باہر کے لوگ دینی امور کی باگ اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کریں گے اور چونکہ وہ احمدیت سے

ناواقف ہوں گے اِس لیے وہ احمدیت کو بدل ڈالیں گے۔

پس ہماری جماعت اِس وقت ایک نہایت ہی نازک مرحلہ پر آپہنچی ہے اور ضروری ہے کہ ہم اپنے دانتوں میں زبان دبا کر اور پوری طرح کمر کس کر ہندوستان میں اپنی تبلیغ کو وسیع کرنے کے لیے کھڑے ہو جائیں اور کوشش کریں کہ آئندہ ایک صدی تک بیرونی ممالک میں احمدیوں کی تعداد جس نسبت سے ترقی کرے اُس سے کئی گُنا بڑھ کر ہندوستان میں ہماری جماعت پھیلے۔ گویا بیرونی ممالک کے مقابلہ میں زیادہ سرعت سے ہندوستان میں احمدیت پھیلنا شروع کر دے۔ کیونکہ ہندوستان ہی وہ ملک ہے جس کے رہنے والے اردو زبان جانتے ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتابوں کو زیادہ سمجھ سکتے ہیں، جو بار بار قادیان آسکتے ہیں، جو ہم سے مل کر دینی مسائل کو عمدگی سے سیکھ سکتے ہیں، جو ہماری تربیت کے زیر اثر دوسروں تک دین کی باتیں پہنچا سکتے ہیں، جن کے علماء ہماری نگرانی میں تیار ہو کر دین کی حقیقت کو اچھی سمجھ سکتے ہیں اور دوسروں کو سمجھا سکتے ہیں۔ ایسی صورت میں یہ وہی بات ہے کہ جب ہندوستان میں احمدیوں کی کثرت ہوگی تو باقی ممالک کے لوگ اگر دین سیکھنا چاہیں گے تو ہندوستان کے لوگوں سے ہی سیکھیں گے اور وہ اپنے آپ کو دینی امور میں ہندوستان کا تابع سمجھیں گے۔ لیکن اگر بیرونی ممالک میں احمدیوں کی تعداد بڑھتی چلی گئی اور ہندوستان میں احمدیوں کی تعداد کم رہی تو وہ سمجھیں گے کہ اب ہم لوگ اِس بات کا حق رکھتے ہیں کہ دین کے معاملات میں دخل دیں اور چونکہ وہ خود دینی باتوں سے پورے واقف نہ ہوں گے اِس لیے نتیجہ یہ ہوگا کہ دین بدل جائے گا اور اِس میں غلط باتیں شامل ہو جائیں گی۔

پس یہ ایک نہایت خطرناک موقع پیدا ہو گیا ہے جس سے مَیں جماعت کو ابھی سے ہوشیار کر دیتا ہوں۔ مَیں نے متواتر جماعت کو تبلیغ کی طرف توجہ دلائی ہے۔ مگر مَیں دیکھتا ہوں ابھی تک ہماری جماعت میں تبلیغ کا احساس پیدا نہیں ہوا۔ آج مَیں پھر ان کے سامنے یہ بات کھول کر رکھ دیتا ہوں کہ اگر جماعت نے تبلیغ کی طرف توجہ نہ کی اور اگر ہندوستان کی جماعت اِس میدان میں بیرونی ممالک سے کئی گُنا نہ بڑھ گئی تو دین خطرناک ہاتھوں میں چلا جائے گا اور پیشتر اِس کے کہ وہ پنپے اِس پر مُرجھانے کے آثار ظاہر ہونے شروع

ہو جائیں گے۔ کوئی عمارت جو پتلی بنیاد پر کھڑی کی جائے کبھی اونچی نہیں ہو سکتی۔ جب بھی وہ اونچی ہو گی ٹیڑھی ہو جائے گی اور جب اَور زیادہ اونچی ہو گی تو گر جائے گی۔ اِس وقت حالت یہ ہے کہ ہماری بنیاد چھوٹی ہے اور اوپر کی دیوار جلد جلد چوڑی ہو رہی ہے۔ پس ضرورت اِس بات کی ہے کہ اِس بنیاد کو اَور زیادہ چوڑا کیا جائے اور پھر اِس بنیاد کو ہم چوڑا کرتے چلے جائیں تاکہ اِس پر جو بھی عمارت تیار ہو وہ بنیاد کے مقابلہ میں چھوٹی ہو۔ اور پھر جُوں جُوں وہ عمارت اونچی ہو ہمارا فرض ہے کہ ہم بنیاد کو اَور بھی وسیع کرتے چلے جائیں۔ تب احمدیت مضبوط اور محفوظ ہاتھوں میں ہو گی اور تب خدا کا دین ایک لمبے عرصہ تک محفوظ و مصئون صورت میں چلتا چلا جائے گا۔

مَیں نے بعض جماعتوں کو خصوصیت سے تبلیغ کی طرف توجہ دلائی تھی اور مَیں دیکھتا ہوں کہ ان میں کچھ بیداری بھی پائی جاتی ہے مگر ابھی مَیں نہیں کہہ سکتا کہ انہوں نے کچھ کام بھی کر کے دکھایا ہے یا نہیں۔ مثلاً لاہور کی جماعت کو مَیں نے تبلیغ کی طرف توجہ دلائی تھی۔ وہاں سینکڑوں کی جماعت ہے مگر تبلیغ کرنے کا صرف پچیس تیس لوگوں نے وعدہ کیا۔ اور پھر اُن پچیس تیس لوگوں کی کارگزاری کی جو پہلی رپورٹ میرے سامنے آئی اُس میں دس پندرہ کی نسبت یہ لکھا ہوا تھا کہ انہوں نے کہا، ہم نے اِس ہفتہ میں تبلیغ یہ کی ہے کہ اسلام کی ترقی کے لیے دعا کی ہے۔ اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ تبلیغ کا ایک ذریعہ دعا بھی ہے مگر جب تبلیغی رپورٹ پیش کی جارہی ہو تو اُس وقت یہ کہنا کہ ہم نے اِس ہفتہ صرف دعا کی ہے دین اور مذہب سے تمسخر کرنا ہے۔ گویا اوّل تو سینکڑوں کی جماعت میں سے صرف پچیس تیس آدمیوں نے اپنے آپ کو تبلیغ کے لیے پیش کیا اور پھر وہ پچیس تیس جنہوں نے وعدہ کیا تھا اُن میں سے بھی اکثر میدانِ جنگ سے بھاگ گئے۔ حالانکہ لاہور کی جماعت میں سے تین چار سو بلکہ پانچ سو کے قریب ایسے آدمی نکل سکتے ہیں جو تبلیغ کریں۔ اور قادیان میں سے تو تین چار ہزار آدمی مختلف علاقوں میں تبلیغ کے لیے جاسکتے ہیں۔

مَیں نے گزشتہ دنوں یہاں تبلیغ کے لیے حلقے مقرر کرنے کی ہدایت دی تھی اور میری غرض یہ تھی کہ لوگ وہاں متواتر جائیں اور تبلیغ کریں۔ مگر انہوں نے بھی تبلیغ کو

ایک تمسخر کا ڈھانچہ بنا کر رکھ دیا۔ چنانچہ مجھے بتایا گیا کہ اِرد گرد کے چند علاقوں میں پندرہ دن میں ایک دفعہ چالیس پچاس آدمی گئے اور انہوں نے تبلیغ کی۔ حالانکہ میرا منشاء یہ تھا کہ حلقے مقرر کر کے مختلف لوگوں کے سپرد کر دیے جائیں اور اُن کا یہ فرض قرار دیا جائے کہ وہ اپنے اپنے حلقہ کے تمام دیہات میں متواتر جائیں اور تبلیغ کریں۔ تبلیغ کے لیے ایک وسیع حلقہ میں پندرہ دن کے بعد ایک روز جانے کے کوئی معنے ہی نہیں۔ قریب کے گاؤں میں ہر دوسرے دن انسان تبلیغ کے لیے جاسکتا ہے۔ بلکہ اگر کوشش کرے تو روزانہ بھی جاسکتا ہے۔ مگر انہوں نے اتنا ہی کافی سمجھ لیا کہ پندرہ دن کے بعد ایک دن سیر کے لیے نکل گئے۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ تبلیغ کی کوئی اہمیت ہی دلوں میں باقی نہیں رہی۔ اور جب بھی کوئی کام کیا جاتا ہے معمولی سا قدم اٹھا کر یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ ہم نے بہت بڑا کام کر لیا۔ حالانکہ قادیان میں تین چار ہزار آدمی موجود ہیں۔ اگر ہر شخص سچا احمدی ہوتا تو اُس کے اندر ایک جنون ہونا چاہیے تھا کہ مَیں احمدیت کو پھیلاؤں۔ اور یہ جنون اِس حد تک بڑھا ہوا ہوتا کہ اگر ان میں سے کسی شخص کو روٹی کھانے کے لیے کہا جاتا تو وہ کہتا کہ میں روٹی اُس وقت تک نہیں کھا سکتا جب تک دین کی کچھ نہ کچھ تبلیغ نہ کرلوں۔ اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ بعض لوگوں کے کام مرکزی ہوتے ہیں۔ مگر یہ تو نہیں کہ جو لوگ تبلیغ کے لیے نہیں جاتے وہ سب کے سب مرکزی کاموں میں مصروف ہیں۔ اگر قادیان کے چار ہزار افراد میں سے تین ہزار نو سو پچاس دین کا مرکزی کام کر رہے ہوتے، جسے چھوڑ کر باہر جانا اُن کے لیے ناممکن ہوتا تو مَیں مان لیتا کہ وہ چالیس پچاس جو تمسخر کے طور پر پندرہ دن کے بعد ایک دفعہ بٹالہ یا امرتسر چلے جاتے ہیں۔ اُن کا پندرہ روزہ تبلیغ کے لیے باہر جانا اپنے اندر کوئی معقولیت رکھتا ہے۔ مگر مَیں تو دیکھتا ہوں کہ ان تین ہزار نو سو پچاس لوگوں میں سے اکثر ایسے ہیں جو مرکز میں دین کا کوئی کام نہیں کرتے۔ وہ رات دن دنیا کے کاموں میں مصروف رہتے ہیں۔ کوئی اپنی تجارت کے کام میں لگا ہوا ہے، کوئی زراعت کے کام میں لگا ہوا ہے، کوئی صنعت و حرفت کے کام میں لگا ہوا ہے دین سے ان کو کوئی مسّ ہی نہیں۔ جب حالت یہ ہے تو اُن پچاس آدمیوں نے کرنا ہی کیا ہے اور ان کا اثر ہی کیا ہوگا۔ اور وہ بھی ایسی حالت میں کہ پندرہ روز کے بعد ایک دن اُٹھے اور دَورہ

کرنے کے لیے چلے گئے جیسے کوئی شخص سیر کرنے کے لیے چلا جاتا ہے۔ حالانکہ قادیان میں ہی اتنے احمدی موجود ہیں کہ اگر سچے طور پر ان میں اخلاص ہوتا، ان میں تقویٰ ہوتا، ان میں دین کی محبت ہوتی تو وہ ہزارہا کی جماعت اب تک بڑھا چکے ہوتے۔ پھر جُوں جُوں جماعت بڑھتی چلی جاتی دائرہ تبلیغ کو بھی ہم وسیع کرسکتے تھے۔ مگر مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ انہوں نے اِس طرف کوئی توجہ نہیں کی۔ اِسی طرح باہر کے لوگوں کا حال ہے۔ بعض جماعتوں پر سالہا سال گزر جاتے ہیں مگر اُن میں کوئی نیا احمدی داخل نہیں ہوتا۔ جس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ وہ تبلیغ نہیں کرتے، سُستی ان پر چھا جاتی ہے، دین ان کا کمزور ہو جاتا ہے اور مذہبی احکام پر عمل بہت کم ہو جاتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں ان کی نمازوں میں بھی سُستی آجاتی ہے، ان کے روزوں میں بھی سُستی آجاتی ہے، ان کی زکوٰۃ میں بھی سُستی آجاتی ہے، ان کے صدقہ و خیرات میں بھی سُستی آجاتی ہے۔ بے شک چندہ ایسی چیز ہے جس کے متعلق ہماری جماعت میں بیداری پائی جاتی ہے مگر وہ بیداری شاید اس لیے ہے کہ بیت المال کا صیغہ دعوۃ و تبلیغ سے زیادہ احساس اپنے اندر رکھتا ہے۔ ان کو فکر ہے کہ اگر چندہ پورا نہ ہوا تو سلسلہ کے کام بند ہو جائیں گے اور لوگ اعتراض کریں گے۔ لیکن دعوۃ و تبلیغ والوں کو یہ کوئی فکر نہیں کہ وہ نئے آدمی جماعت میں شامل کرنے کی کوشش کریں۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں جماعت کو بھی اَس کے متعلق کوئی احساس نہیں۔ اگر ہم نے کوئی کام نہ کیا تب بھی جماعت کوئی اعتراض نہیں کرے گی۔

بہرحال ہماری جماعت میں تبلیغ کے متعلق خطرناک طور پر سُستی پائی جاتی ہے۔ جماعتوں کا فرض ہے کہ وہ اس کو دور کرنے کی کوشش کریں۔ ابھی یہ خطرہ نمایاں نہیں ہوا کیونکہ جنگ کی وجہ سے بیرونی ممالک کی تبلیغ پر زیادہ زور نہیں دیا جاسکتا۔ لیکن اس خطرہ سے آنکھیں بند کر لینا انتہائی طور پر نادانی اور حماقت ہے۔ میرے اعلان پر سینکڑوں لوگوں نے اپنی زندگیاں اسلام کی تبلیغ کے لیے وقف کی ہیں اور بیسیوں مبلغ ہیں جو بیرونی ممالک کی تبلیغ کے لیے تیار ہو رہے ہیں اور تھوڑے ہی عرصہ کے بعد وہ ہندوستان سے باہر تبلیغ کے لیے بھجوا دیئے جائیں گے۔ اور جیسا کہ گزشتہ تجربہ بتا رہا ہے جب یہ لوگ تبلیغ کے میدان میں کھڑے ہوئے

تو اِنْشَاءَ اللّٰہ ہر علاقہ میں یکدم ہزاروں لوگ ہمارے سلسلہ میں داخل ہونے شروع ہو جائیں گے۔ باہر کے لوگوں میں ہندوستان کے لوگوں سے زیادہ بیداری پائی جاتی ہے۔ چنانچہ جس جس ملک میں ہم نے اپنے مبلغ بھجوائے ہیں وہاں ہزاروں لوگوں نے بیعت کرلی ہے۔ پس جب بیسیوں مبلغ باہر کے ممالک میں تبلیغ کے لیے بھجوائے گئے تو چند سالوں میں ہی لاکھوں لوگ خدا تعالیٰ کے فضل سے احمدیت میں داخل ہو جائیں گے۔ مگر یہ بات ہندوستان کے لوگوں کے لیے نہایت ہی شرمناک ہوگی اور اس صورت میں باہر کے لوگوں کی باگ سنبھالنا بھی اس کے لیے سخت مشکل کام ہو جائے گا۔ وہ لوگ کہیں گے کہ تمہارا کیا حق ہے کہ ہماری رہنمائی کرو۔ ہم تعداد میں تم سے زیادہ ہیں۔ ہم قربانیوں میں تم سے زیادہ ہیں اور تم ہمارے مقابلہ میں کوئی نسبت نہیں رکھتے۔ اس لیے لوگوں کی رہنمائی کا حق ہمیں حاصل ہونا چاہیے اور مرکز ہمارے ہاتھ میں ہونا چاہیے تاکہ ہم جس طرح چاہیں دین کی اشاعت کا کام کریں۔ تب احمدیت کے لیے وہی خطرہ کی صورت پیدا ہو جائے گی جو روما میں عیسائیت کے لیے پیدا ہوئی۔ جب فلسطین میں عیسائیوں کی تعداد کم ہوگئی اور اٹلی میں عیسائیت زیادہ پھیلنی شروع ہوئی تو عیسائیت کا مرکز فلسطین نہ رہا بلکہ اٹلی بن گیا۔ اور چونکہ وہ مرکزِ کفر تھا اس لیے عیسائیت کفر کے رنگ میں رنگین ہونی شروع ہوگئی۔ اِسی طرح قادیان کی نگرانی کے بغیر جو مرکز بنے گا چونکہ وہ قادیان کے مقدس ماحول کے زیر اثر نہیں ہوگا اس لیے وہ مرکز دین کے لیے تباہی کا موجب ہوگا اس کے لیے کسی خیر اور برکت کا موجب نہیں ہوگا۔

پس مَیں ایک دفعہ پھر جماعت کو ہوشیار کر دیتا ہوں کہ اسے ہندوستان کی تبلیغ کی اہمیت سمجھنی چاہیے۔ مَیں جماعت کو بتا دیتا ہوں کہ اِس وقت ہندوستان کی مرکزی حیثیت خطرے میں ہے۔ اگر جلد ہی ہندوستان کے احمدیوں نے اپنے اندر چستی اور ہوشیاری پیدا نہ کی تو قادیان جو ہمارا تبلیغ کا مرکز ہے اور ہندوستان جو اِس مرکز کا ماحول ہونے کی وجہ سے تمام دنیا میں احمدیت کی تبلیغ اور اس کی اشاعت کے لیے بنیادی طور پر ایک مرکزی حیثیت رکھتا ہے اِس میں کمزوری اور ضعف کے آثار پیدا ہونے شروع ہو جائیں گے۔ اور ایسی صورت پیدا ہو جائے گی کہ بجائے اِس کے کہ ہندوستان کے لوگ دوسروں کی اصلاح کریں اور اُنہیں

دینی مسائل سکھائیں وہ اَور لوگوں کے رحم پر ہوں گے کہ وہ جس طرح چاہیں اِن سے سلوک کریں اور جس طرح چاہیں دین کو بدلتے چلے جائیں۔ کیونکہ ایسی صورت میں ہندوستان دوسرے ممالک سے تعلیم حاصل کرنے کا محتاج قرار دیا جائے گا گو ہو گا نہیں۔

مَیں امید کرتا ہوں کہ یہ میری آخری تنبیہہ جماعت کی اصلاح اور اس کی بیداری کا موجب ہوگی۔ مَیں اس کو آخری تنبیہہ اس لیے کہتا ہوں کہ وقت ایسا نازک آگیا ہے کہ چند مہینوں یا چند سالوں کے اندر اندر بیرونجات میں نہایت سرعت کے ساتھ احمدیت پھیلنے والی ہے اور جنگ کے بعد ان جماعتوں کے بڑھنے کا زبردست طور پر امکان پایا جاتا ہے۔ پس پیشتر اِس کے کہ بیرونجات کے احمدی مرکز کو اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کریں اور ہندوستان کے لوگوں کی راہنمائی کا حق جاتا رہے چاہیے کہ ہندوستان میں ہماری جماعت کے افراد اپنی تعداد کو موجودہ تعداد سے کئی گُنا بڑھا کر دکھا دیں اور پھر تعلیم و تربیت کی طرف بھی توجہ کریں تا کہ ہندوستان کا حق قائم رہے اور اس کی رہنمائی پر کوئی اَور ملک قبضہ نہ کرلے۔

مَیں امید کرتا ہوں کہ جماعتیں اپنی ذمہ داری کو محسوس کریں گی اور نہ صرف تعداد میں اپنے آپ کو بڑھانے کی کوشش کریں گی بلکہ تنظیم میں بھی دوسروں کے لیے نمونہ بنیں گی۔ میرا منشاء ہے کہ پرائیویٹ سیکرٹری کے ساتھ ایک اَور سیکرٹری ایسا مقرر کروں جس کا کام ہندوستان کے لوگوں کو تبلیغ کی طرف توجہ دلانا ہو۔ اس کا یہ بھی کام ہو گا کہ وہ بیعتوں کا نقشہ تیار کرکے تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد اخبار میں شائع کرتا رہے تا کہ جماعتوں کو یہ معلوم ہوتا رہے کہ انہوں نے تبلیغی لحاظ سے کیا جدوجہد کی ہے اور جو جماعتیں غافل اور سست ہوں وہ بھی بیدار ہونے کی کوشش کریں۔ اس طرح جو مبلغین باہر جاتے ہیں ان سے بھی کہا جائے گا کہ فلاں فلاں علاقہ میں جماعتیں کم ہیں ان علاقوں میں احمدیت کو بڑھانے کی کوشش کریں۔ مَیں سمجھتا ہوں ہمیں تبلیغی نقطۂ نگاہ سے شہروں کی طرف زیادہ توجہ کرنی چاہیے۔ مثلاً دہلی ہے، لکھنو ہے، لاہور ہے، امرتسر ہے، پشاور ہے، راولپنڈی ہے، ملتان ہے، منٹگمری ہے کیونکہ شہروں میں تنظیم اور تربیت نسبتاً آسان ہوتی ہے۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ دیہات میں تبلیغ ضروری نہیں۔ دیہات اِس بات کا زیادہ حق رکھتے ہیں کہ اُن کی طرف توجہ کی جائے۔

مگر گاؤں کے لوگوں میں عام طور پر ابھی ایسا ملکہ پیدا نہیں ہوا کہ وہ دوسروں کو احمدیت سکھا سکیں۔ بعض گاؤں ایسے ہیں جہاں صرف ایک دو دفعہ ہمارا کوئی مولوی گیا تو وہاں کے لوگوں نے اُس سے احمدیت کی بعض باتیں سیکھ لیں۔ اس سے زیادہ ان کو دین کا کوئی علم نہیں۔ پس شہروں کی جماعتوں کو مضبوط کر کے اردگرد کے علاقوں کے لیے تعلیمی مرکز بنائے جائیں تا کہ گاؤں والے آسانی کے ساتھ وہاں مسائلِ دین سیکھ سکیں۔ شہروں میں تعلیمی مرکز قائم کر کے چاہیے کہ گاؤں کی جماعتوں کو تحریک کی جائے کہ اپنا ایک ایک نمائندہ وہاں بھجوادیں تا چار پانچ ماہ میں دین کے بڑے بڑے مسائل سیکھ لے اور اس طرح آہستہ آہستہ سارے علاقہ میں علمِ دین پھیل جائے۔ اور ہر گاؤں میں کوئی نہ کوئی شخص ایسا موجود رہے جو احمدیت کو خود بھی سمجھتا ہو اور دوسروں کو بھی سمجھا سکتا ہو۔ اسی طرح ضروری ہے کہ بیرونجات کی جماعتیں اپنا ایک ایک طالب علم تعلیم حاصل کرنے کے لیے قادیان بھی بھجوائیں۔ میرے نزدیک دعوۃ و تبلیغ والوں کو ایک سال کا کورس ایسا تیار کرنا چاہیے جو باہر سے آنے والے لوگوں کو پڑھایا جاسکے اور جس کو پڑھ کر وہ سلسلہ کے ضروری مسائل سے اچھی طرح آگاہ ہو جائیں۔ اس کورس کی تیاری کے بعد ہر جماعت پر یہ واجب کر دیا جائے کہ جس طرح وہ چندے دیتی ہے اسی طرح ہر جماعت آئندہ اپنا ایک ایک آدمی بھی تعلیم کے لیے قادیان بھیجا کرے۔ اس کا سال بھر کا خرچ وہاں کی جماعت کو خود برداشت کرنا پڑے گا۔ جب ایک لڑکا تعلیم حاصل کر کے واپس چلا جائے تو اگلے سال جماعت دوسرا طالب علم بھجوا سکتی ہے۔ بہرحال ہر جماعت کو مجبور کیا جائے کہ جس طرح وہ روپیہ کی صورت میں چندہ دیتی ہے اِسی طرح وہ آدمیوں کی صورت میں بھی چندہ پیش کرے تا کہ ہندوستان کے ہر علاقہ میں ایسے لوگ پیدا ہو جائیں جو مسائلِ دینیہ سے پوری طرح آگاہ ہوں۔ مَیں سمجھتا ہوں اگر یہ دونوں طریق اختیار کیے جائیں تو جماعت میں ایک عظیم الشان بیداری پیدا ہو سکتی ہے۔ لیکن جب تک یہ انتظام نہ ہو جس جس کو جو کچھ آتا ہے اُسی کو لے کر وہ باہر نکل جائے اور لوگوں کو تبلیغ کرنا شروع کر دے۔ اور جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے تبلیغ کا بہترین طریق یہ ہے کہ انسان اپنے غیر احمدی رشتہ داروں کے پاس چلا جائے اور اُن سے کہے کہ اب مَیں نے یہاں سے مر کر ہی اٹھنا ہے

ورنہ یا تم مجھ کو سمجھا دو کہ مَیں غلط راستہ پر ہوں اور یا تم سمجھ جاؤ کہ تم غلط راستے پر جا رہے ہو۔ اِس عزم اور ارادہ سے اگر ساری جماعت کھڑی ہو جائے تو مَیں سمجھتا ہوں ابھی ایک سال بھی ختم نہیں ہو گا کہ ہماری ہندوستان کی جماعت میں صرف احمدیوں کے رشتہ داروں کے ذریعہ ہی ایک لاکھ آدمی بڑھ جائیں گے۔ سوال صرف ہمت کا ہے۔ اگر لوگ ہمت کریں اور اِس ارادہ کو پورا کرنے کے لیے عملی قدم اٹھائیں تو بہت جلد اِس کے نیک نتائج پیدا ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری جماعت کو توفیق عطا فرمائے کہ وہ اپنی اس اہم ذمہ داری کو سمجھے اور اپنے اندر چُستی اور بیداری پیدا کر کے تبلیغ احمدیت کی طرف پوری طرح متوجہ ہو جائے ورنہ نہایت ہی خطرناک ایام قریب آ رہے ہیں۔ جیسے عذاب کی آندھی اٹھتی ہے تو دُور سے اُس کی سُرخی نظر آتی ہے جسے دیکھتے ہی دل کانپ اٹھتے ہیں اِسی طرح کی سُرخی مَیں بھی فضا میں دیکھ رہا ہوں۔ اَور وہ دن مجھے قریب آتے نظر آ رہے ہیں جب ہندوستان اپنی راہنمائی کا حق کھو بیٹھے گا کیونکہ بیرونی ممالک میں احمدی زیادہ ہو جائیں گے اور ہندوستان میں کم ہو جائیں گے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اِس نہایت ہی نازک موقع پر ہماری راہنمائی کرے گا۔ مگر ہمارا بھی فرض ہے کہ ہم وقت پر بیدار ہو جائیں، مستقبل کے آثار کو پہچان لیں اور اُن کے مطابق اپنے اندر تغیر پیدا کرنے کی کوشش کریں"۔ (الفضل 6/ جولائی 1944ء)

---

1 : سیرت ابن ہشام جلد 463، 464 مطبوعہ القاہرہ مصر 1964ء

2 : بخاری کتاب مناقب الانصار باب قصة أبی طالب